(غلام گردش)

عدم استحکام در عدم استحکام!

مسئلہ کیا ہے۔ حتمی سوچ کو تو خیر موقعہ ملنا ناممکن ہے۔ 1947 سے لیکر آج تک کوئی ایسا وقت کا ٹکڑا نہیں جو انتشار کے بغیر سانس لے۔ ستر برس سے اس ملک میں صرف اور صرف ایک چیز مستحکم ہے۔ اور وہ ہے عدم استحکام۔ کیا فوجی، کیا سویلین، کیا نیم فوجی اور کیا نیم سویلین حکومتیں۔ سب اپنے اپنے دامن میں عام لوگوں کیلئے صرف اور صرف "مزید انتشار" کا تحفہ لاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ جواب سادہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ شائد جواب موجود ہی نہیں ہے۔ ویسے اب تو ہم خلفشار کے اتنے عادی ہو چکے ہیں، کہ حالات کی گرم لُو کے بغیر شائد زندہ ہی نہ رہ سکیں۔ ملک میں اداروں کی آپس میں کھلی یا چھپی ہوئی جنگ نے بھی کمال درجہ حاصل کر لیا ہے۔ قیامت یہ بھی ہے کہ یہاں ہر سیاستدان، ہر مقتدر طبقہ، ہر ادارہ صرف اور صرف میرٹ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ میرے جیسے طالبعلم، میرٹ لفظ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہو چکا ہے۔

گزشتہ چالیس سال کو ہی دیکھ لیجئے۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ جمہوری دانشوروں نے سمجھایا کہ مارشل لاء بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ اس سے لوگوں کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں۔ لوگوں میں کدورتیں اور نفرتیں بڑھ جاتی ہیں۔ صوبائی اور نسلی تعصب بڑھ جاتا ہے۔ یہ استدلال اسی اور نوے کی دہائی میں من وعن تسلیم کر لیا گیا۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف سندھ اور چند دیگر حصوں میں ایک تحریک چلی۔ جسے سختی سے کچل دیا گیا۔ خوبصورت جمہوری تغیر کیلئے اَن گنت لوگ برباد ہو گئے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ عملی طور پر جو لوگ ضیاء الحق کے دسترخوان کے خوشہ چیں تھے، وہ دولت کے لحاظ سے امیر تر ہو گئے۔ اختیارات کے لحاظ سے اور مضبوط ہو گئے یا کر دیے گئے۔ جب مسلم لیگ ن کے چند محترم اکابرین موجودہ حکومت کو سلیکٹڈ کا عنوان دیتے ہیں تو انسان حیران سا ہو جاتا ہے۔ مسلم لیگ ن کی موجودہ تمام بڑی اور چھوٹی قیادت کا تو الیکشن یا جمہوری نظام سے تعلق ہی نہیں تھا۔ 1985 کے غیر جماعتی انتخابات میں صوبائی، قومی اور ضلعی قیادتیں، پلیٹ میں رکھ دی گئی تھیں۔ اس نایاب محبت کی وجہ سب کو معلوم ہے۔ مقصد مرحوم ومخفور پیپلز پارٹی کو سیاسی عمل میں کمزور تر کرنا تھا۔ آج جمہوریت کا نعرہ لگانے والے اکابرین کبھی فرمانا چاہینگے کہ مارشل لاء کی جادو کی چھڑی سے انہوں نے کتنا فقید المثال فائدہ اُٹھایا ہے۔ کبھی نہیں۔ کسی میں اتنی اخلاقی جرات نہیں کہ سچ بول سکے۔ یہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں۔ 1985 یا اس سے بھی تھوڑا سا پہلے کی بات ہے۔ مجلس شوریٰ کو بھول گیا۔ کیا کسی جمہوری قائد نے بتایا ہے کہ انکے والد، دادا، قریبی عزیز، غیر نمائندہ مجلس شوریٰ میں تھے یا نہیں۔ چلیے، اسے بھی جانے دیجئے۔ اسلیے کہ ''مجلس شوریٰ'' تاریخ کے کوڑہ دان کا حصہ ہے۔ مگر بات یہ بھی اہم ہے کہ مجلس شوریٰ کے اکابرین آج بھی کسی نہ کسی طرح حکومت کر رہے ہیں۔ بلکہ گزشتہ کئی دہائیوں سے کیے جا رہے ہیں۔ یہاں آزاد اسمبلیوں کے وجود کی تو اجازت ہی نہیں دی گئی۔ ستر برسوں سے مجلس شوریٰ کسی نہ کسی نئے یا پرانے لبادے میں برسرِ اقتدار ہے۔

تیس چالیس برس پہلے کی نوجوان نسل کو کہا گیا کہ مارشل لاء نے تو ہر چیز برباد کر دی۔ قیامت در قیامت اور نوحہ در نوحہ۔ چنانچہ ملک میں 1988 کے الیکشن ہوئے۔ سب کو اُمید تھی کہ جمہوریت ہماری قسمت بدل دیگی۔ دودھ، شہد کی نہریں بہنی شروع

ہو جائینگی۔لوگ اس قدر خوشحال ہو جائینگے کہ دنیا سے باقاعدہ غیر ملکی وفود ہمارے ملک کی ترقی سے سبق سیکھنے آئینگے۔الیکشن کے نتائج نے تمام اُمیدوں اور دعوؤں کے برعکس پورے معاشرے میں تلخی گھول ڈالی۔سیاستدان جنہوں نے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر ڈالنا تھا، جلسوں میں ایک دوسرے کو غلیظ گالیاں دیتے تھے۔ایک دوسرے کی ماؤں بہنوں اور خواتین کے متعلق بھرپور ناشائستہ زبان استعمال کرنا فخر سمجھتے تھے۔جو سیاستدان جتنی غلیظ زبان استعمال کرتا تھا، اسکی قیادت اتنی ہی اسے سر کا تاج بنا کر رکھتی تھی۔پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن نے تمام اخلاقی حدیں عبور کرلیں۔حد تو یہ ہے کہ سیاسی خواتین کی نیم برہنہ تصاویر، ہوائی جہاز کے زریعے لوگوں پر بارش کی مانند پھینکی گئیں۔کسی جماعت نے کوئی کمی نہ کی۔سب نے ایک دوسرے کی شاہ رگ کاٹنے کی کوشش کی۔نوے کی دہائی کے اخبارات کو دوبارہ پڑھیے۔حیران ہو جائینگے، کہ آج بہت مہذب اور شریف نظر آنے والے لوگ، کیا کیا اَبتر گُل کھلاتے رہے ہیں۔محترم نواز شریف کی تقریر، محترمہ بینظیر کے متعلق ''غدار'' لفظ تکرار سے شروع ہوتی تھی اور اسی پر ختم ہوتی تھی۔اپنے لیے وہ ''میڈ اِن پاکستان'' کا تخلص استعمال کرتے تھے۔گالم گلوچ اور مسلسل لڑائی نے تقریباً دس برس ضائع کر ڈالے۔ویسے ٹھیک ہی ہوا۔جہاں ملک میں ہر فلسفہ، ہر خیال، ہر معتدل رویہ ضائع ہو گیا، تو صرف ایک دہائی کی بربادی سے کیا فرق پڑتا ہے۔مگر صاحبان، اس پورے انتشار میں کسی سیاستدان نے ایک اَمر فراموش نہیں کیا۔وہ تھا، مال بنانا۔کیان لیگ کے معتبرین اور کیا پیپلز پارٹی کے جمہوری خدا۔سب نے یکسوئی سے کمال لوٹ مار کی۔مثال سامنے رکھیے۔پنجاب کی حکومت نے جس طرح سے ایل ڈی اے سے مالی لوٹ مار شروع کی، وہ تاریخ نہیں، ہمارے مستقبل کا بھی ناقابل قبول ورثہ ہے۔سیاسی لیڈروں کو رشوت کے طور پر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں پلاٹ مفت تقسیم کیے گئے۔ہاں، کئی پیاروں کو دو دو پلاٹ، تاکہ ایک کو بیچ کر دوسرے پر گھر بنالے۔اگر آپکو تصدیق فرمانی ہے تو ایل ڈی اے کے کسی بھی پرانے اہلکار سے پوچھ لیجئے۔باتیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائینگے۔مرکز میں بالکل یہی حال، جمہوریت پسند پیپلز پارٹی نے کیا۔سی۔ڈی۔اے اور دیگر قومی اداروں کو لقمہ تر کی طرح بے دریغ لوٹا گیا۔ویسے ایک تلخ سچ اور بھی ہے۔واپڈا پاکستان کا مایہ ناز ادارہ تھا۔اس نے پاکستان کی ترقی میں ہمیشہ کلیدی رول ادا کیا تھا۔محترمہ نے اس ادارہ کو بے دردی سے تقسیم کیا۔بجلی کی کمپنیاں بنائی۔یہ ادارہ آج خاک چاٹ رہا ہے۔انہوں نے ایسا کیوں کیا، اسکی تفصیل ہر باخبر شخص کو معلوم ہے۔بہرحال نوے کی دہائی میں ملک دیوالیہ ہو گیا اور چند خاندان حد درجہ امیر ہو گئے۔لوگوں کے مسائل، جمہوری خواب میں، کسی طور پر بھی حل نہ ہو سکے۔جمہوری خواب کی بڑی بھیانک تعبیر نکلی۔

ننانوے میں دوبارہ فوج نے ملک کا نظام سنبھال لیا۔مانیں یا نہ مانیں۔اگر پاکستان کی تاریخ میں ایوب خان کے بعد ترقی کا کوئی دور آیا ہے۔تو پرویز مشرف کے پہلے تین سال کی حکومت تھی۔اقتصادی ترقی کی شرح بڑھنے لگی۔سات سے بڑھ کر محیر العقول حد تک نو فیصد پر جانے کیلئے پر تولنے لگی۔ملک تھوڑا سا سنبھل گیا۔مگر دوبارہ آسمانی دیوتاؤں نے ہمارے ماضی کے مقدر کے حساب سے عدم استحکام کا ڈول ڈالا۔فوج نے سیاسی چہرہ لینے کی کوشش میں تمام ترقی اور استحکام پر پانی پھیر دیا۔مگر یہاں حد درجہ سوچنے کی گزارش کرونگا۔سابقہ چیف جسٹس محترم افتخار چوہدری کی بحالی کی تحریک نے ملک کی جڑیں ہلا دیں۔عدلیہ بچاؤ تحریک میں میاں صاحبان نے بھرپور مالی وسائل مہیا کیے۔ملک میں قیامت برپا کر دی گئی۔لوگوں کو یقین دلا دیا گیا کہ اگر افتخار چوہدری واپس چیف جسٹس بن جاتا ہے

تو ملک کی تقدیر بدل جائیگی۔ترقی کے دروازے کھل جائینگے۔اس قدر منظّم عدم استحکام پھیلایا گیا کہ سب کچھ تتر بتر ہوگیا۔اقتصادی ترقی کی نمو مکمل طور پر گر گئی۔چیف جسٹس بحال ہوگئے۔لوگوں کو دکھائے ہوئے خواب ایک بار پھر مزید ڈراؤنے ہوگئے۔عدلیہ بچاؤ مہم کے نتائج لوگوں کیلئے کتنے بہترین نکلے۔اسکا جواب اعتزاز احسن صاحب کو ضرور دینا چاہیے۔کیونکہ اس مہم کے سرخیل تھے۔بہرحال ملک مکمل طور پر عدم استحکام میں غوطے کھانے لگا۔

پرویز مشرف کے بعد دس سال کا سنہرا جمہوری دور آیا۔اس قدر سنہرا، کہ ہر ایک کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔آنکھیں چندھیا گئیں۔مرکز میں محترم زرداری صاحب نے ایمانداری کے وہ ریکارڈ قائم کیے کہ دنیا کے ہر کونے میں بازگشت سنائی دینے لگی۔انکے مقربین، دونوں ہاتھوں بلکہ دونوں پاؤں سمیت دولت کی گنگا میں اَشنان کرنے لگے۔لوٹ مار کوئی لفظ ہی نہیں۔ایک محترم وزیراعظم نے ممنوعہ اسلحہ کے لائسنس فروخت کرنے شروع کردیے۔یہ انکی کرپشن کی ابتداء تھی۔ایک وزیر داخلہ نے اپنے قریبی پولیس افسروں کے ذریعے مالدار لوگوں پر جھوٹے پرچے کروا کر پیسے وصول کرنے شروع کردیے۔''خانان اینڈ کالیا'' کا کیس اسکی تازہ مثال ہے۔خیر پنجاب میں دس برس اور پھر ن کی مرکزی حکومت نے بھی کسی سے کوئی مالی رعایت نہیں کی۔پورے اقتصادی نظام کو ہائی جیک کر کے ''اَل شریف'' نے بین الاقوامی سطح پر کرپٹ ترین سیاسی خاندان ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔اگر تصدیق کرنا چاہیں، تو آج بھی گوگل پر جا کر مغربی آزاد تحقیقی اداروں کی رپورٹس دیکھ سکتے ہیں۔پورے دس برس، ملک کو اس طرح لوٹا گیا جیسے کہ یہ کوئی دشمن ملک ہے۔یا کوئی مفتوح علاقہ ہے۔ویسے مفتوح کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔دس برس میں ن لیگ نے ایک ذاتی حکمتِ عملی کے تحت اپنے درباریوں کو مالی طور پر اس درجہ مستحکم کیا کہ وہ ہر الیکشن کو خریدنے کی استطاعت رکھ سکیں۔کرپشن کی کہانیاں، آپ نیب کی زبانی روز سنتے ہیں۔دھیلے کی کرپشن نہیں کی، مشہور زمانہ جملہ کہنے والے موصوف اپنی اولاد کے اکاؤنٹ میں اربوں روپے آنے کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکے۔بہرحال یہ دس سال ہمیں پہلے سے زیادہ برباد کر گئے۔ملک عدم استحکام اور دیوالیہ پن کا بھرپور نمونہ بن کر بین الاقوامی سطح پر سامنے آیا۔

ہمارے بیس پچیس برس کے انتہائی محترم سیاسی شدت پسندوں نے ملک کا اقتصادی باغ مکمل طور پر اُجاڑ دیا ہے۔اسحاق ڈار صاحب کا یہ فرمانا کہ قرضے لینا کوئی بری بات نہیں۔ذہنی ناپائیداری کی انتہا ہے۔اگلا جملہ نہیں بولتے کہ قرضے واپس کیسے کرنے ہیں۔اس پر مکمل طور پر چپ سادھ لیتے ہیں۔مکمل بربادی کے بعد عمران خان حکومت میں آیا ہے۔جس کھیل نے ہمارا اقتصادی ڈھانچہ ہی برباد کردیا۔باغ کا ہر درخت کاٹ دیا گیا۔اس مشکل ترین کام کو نبھانے کی ذمہ داری خان کے کندھوں پر آن پڑی ہے۔پروپیگنڈے کے تحت اسکو ہر طریقہ سے ''نکو'' نالائق بتایا جارہا ہے۔کوئی یہ نہیں کہتا کہ اسے کن حالات میں حکومت ملی ہے۔یہ بھی درست ہے کہ اسکی ٹیم نے ناتجربہ کاری میں کئی متنازعہ فیصلے کیے ہیں۔مگر صرف سات ماہ میں اسکو بے رحم تنقید کا نشانہ بنانا کیا واقعی انصاف ہے۔اب فضل الرحمٰن اور دیگر لوگ، ملک کو ایک نئے انتشار کی طرف لیجانے کی تیاری میں مصروف ہیں۔انہیں اور انکے نئے دوستوں کا خیال ہے کہ اگر خان تھوڑا سا بھی کامیاب ہوگیا، تو پھر کیا ہوگا۔اس منتشر سیاسی نظام میں مزید عدم استحکام لانے کی جادوئی کوشش بھرپور طریقے سے جاری ہے۔مگر ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ہم نے تو دیکھا ہی عدم استحکام ہے! یہ سیاسی، معاشی، اقتصادی ترقی کس چڑیا کا نام ہے!

راؤ منظر حیات